ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

1098

اتوار

16 صفر المظفر 1445ھ
مطابق 3 ستمبر 2023ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

القرآن

گناہ پر ایک دوسرے کی مدد مت کرو!

اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اس سبب سے بغض ہے کہ انھوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا وہ تمھارے لیے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد و اعانت کرتے رہو اور گناہ و زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد و اعانت مت کرو اور اللہ سے ڈرا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ (سورۂ مائدہ۔ آیت۔ 2)

الحدیث

ظالم کا مددگار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے کسی معاملے میں ظالم اور زیادتی کرنے والے کی مدد اور اعانت کی تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور غصے کا مستحق ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے اس فعل سے توبہ نہ کرلے اور اس ظالمانہ معاملے سے دور نہ ہو جائے۔ (رواہ الحاکم)

دستک

جناب اشتیاق احمد کا نیا جاسوسی ناول

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

جناب اشتیاق احمد رحمہ اللہ بچوں کا اسلام کے پہلے شمارے سے سات سو شماروں تک، جب تک حیات رہے، اپنے مشہور زمانہ جاسوسی ناول قسط وار شائع کرتے رہے۔ اُن میں اکثر آپ نے خاص بچوں کا اسلام ہی کے لیے لکھے۔

آپ کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ ظاہر ہے رک گیا کہ لکھنے والے دلکش ہاتھ ہی نہ رہے۔

کچھ قارئین کی طرف سے مگر مستقل یہ مطالبہ رہا کہ آپ کوئی ایسا ناول ہی لگا دیا کیجیے جو بچوں کا اسلام میں شائع نہ ہوا ہو۔

ہم ٹھہرے قارئین کے خادم، سو سرِ تسلیم خم کیا اور پرانے ناولوں میں سے ایک ناول ”موت کا جزیرہ“ منتخب کر کے قسط وار شائع کرنا شروع کر دیا۔

مگر ہوا یہ کہ ایک طرف ناول کی قسطیں شائع ہوتی تھیں، دوسری طرف دھڑا دھڑ خطوط آتے تھے کہ یہ تو ہم نے پڑھ رکھا ہے۔

ہم نے سر پکڑ لیا۔

اچھا ۲۰۲۱ء میں جب بچوں کا اسلام کا ہزارواں شمارہ بعنوان الف نمبر ترتیب دیا جانے لگا تو ظاہر ہے انسپکٹر جمشید اور اُن کے بہادر بچوں کے بغیر یہ خاص نمبر ادھورا ہی رہتا، سو حضرت کے سیکڑوں ناولوں میں سے ایک بہت پرانا ناول ”آخری امید“ یہ سوچ کر لگایا کہ یہ ناول ہمارے قارئین نے نہیں پڑھا ہوگا، مگر ایک تو الف نمبر توقع سے بہت زیادہ فروخت ہوا، دوسرا یہ ریکارڈ ساز شمارہ دیگر بچوں کے رسائل کے اُن حلقوں میں بھی بہت پڑھا گیا جہاں بچوں کا اسلام عام طور پر نہیں پڑھا جاتا، سو اِس بار تو خطوط کی قطار ہی لگ گئی کہ یہ ناول تو آپ نے پڑھا ہوا ہی شائع کر دیا......!

اب بتایئے بھلا، ہم کہتے تو کیا کہتے اور کرتے تو کیا کرتے؟

حضرت تو اپنے مہربان رب کے پاس چلے گئے۔ وہ ہیں نہیں ورنہ آپ کو نئے نکور ناول ہی پڑھنے کو ملتے، جبکہ پرانے ناولوں کی بابت یہ کیسے طے ہو کہ کون سا ناول قارئین کی اکثریت نے نہیں پڑھا ہوا؟

پھر اس سے بھی بڑا ایک مسئلہ یہ ہوا کہ جناب اشتیاق احمد کے جاسوسی ناولوں کے حقوق دو بلکہ تین پبلشرز کے پاس چلے گئے تھے تو ناول شمارے میں شائع کرنا اب اتنا بھی آسان نہ رہا تھا کہ ناشرانہ حقوق آڑے آتے تھے۔

لیکن کچھ قارئین تھے کہ بدستور ہم سے شکوہ کناں رہتے کہ آپ ناول نہیں لگاتے۔

اس صورتحال میں تین ماہ قبل ایک بہت اچھی بات ظہور پذیر ہوئی۔ ہوا یہ کہ ہم لاہور کتب میلہ میں شرکت کے لیے لاہور گئے ہوئے تھے کہ ناگاہ ہماری ملاقات ایک صاحب جناب منصور احمد بٹ سے ہو گئی۔

اور یہ جان کر ہمیں بڑی خوشگوار حیرت ہوئی کہ منصور صاحب، حضرت اشتیاق احمد کے نہ صرف بہت قریبی دوست رہے ہیں، بلکہ آپ نے کم و بیش تیس سال قبل اشتیاق صاحب کے ایک اور جگری دوست جناب طاہر ایس ملک (جن کی دوستی کا ذکر مرحوم مدیر نے کئی بار بچوں کا اسلام کی ”دو باتیں“ میں بھی کیا) کے ساتھ مل کر اپنے اشاعتی ادارے ”انداز پبلی کیشنز“ سے حضرت کے قریب دو سو جاسوسی ناول شائع کیے تھے، جو بس ایک ہی بار شائع ہو سکے، اور اب ایک عرصہ ہوا، نایاب ہیں۔

ہم نے بڑے اشتیاق سے منصور بٹ صاحب سے اُن ناولوں کی بابت استفسار کیا تو انھوں نے یہ مژدہ سنا کر ہمارا دل خوش کر دیا کہ انداز پبلی کیشنز وہ نایاب ناول تہائی صدی کے بعد اب دوبارہ شائع کر رہا ہے۔

ہم نے تو بھئی فوراً سے پیشتر نہ صرف اپنا آرڈر انھیں لکھوا دیا کہ جیسے ہی ناول شائع ہوں، ہمیں ایک سیٹ بھیج دیا جائے بلکہ لگے ہاتھوں اُن سے بچوں کا اسلام میں قسط وار اشاعت کے لیے ایک عدد ناول کی فرمائش بھی کر ڈالی، جسے کمال محبت سے انھوں نے منظور کر لیا۔

انداز کے یہ ناول شائع ہوتے ہی ہمیں سیٹ بھی موصول ہو گیا، ساتھ ہی بچوں کا اسلام میں اشاعت کے لیے کوئی بھی ایک ناول شائع کرنے کی اجازت بھی۔

اِن ناولوں کے اشتہار آپ پچھلے دنوں باقاعدگی سے بچوں کا اسلام میں دیکھتے رہے ہیں۔ سچی بات ہے کہ ہر ناول دیدہ زیب ہے اور کاغذ کی گرانی کے اِس دور میں قیمت بھی بے حد مناسب۔

تو قصہ مختصر قارئین یہ ہے کہ فضیل بھائی کے دلکش سفرنامے ”اُن کے کوچے میں“ کے فوراً بعد (اندازاً شمارہ نمبر ۱۱۰۵ سے) آپ بچوں کا اسلام میں انسپکٹر جمشید سیریز کا ایک بہت زبردست ناول ”اونٹ رے اونٹ“ پڑھنے والے ہیں، جو یقیناً آپ نے پہلے نہیں پڑھا ہوگا، ہاں چالیس سال پیشتر آپ کے ابا جان نے پڑھا ہو تو کچھ نہیں کہہ سکتے۔

انداز پبلی کیشنز کے اِن نایاب ناولوں کا سیٹ حاصل کرنے کے لیے جناب منصور احمد بٹ سے اس نمبر (03188397161) پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

خوش رہیں، سلامت رہیں۔

والسلام

محمد فیصل شہزاد

بچوں کا اسلام

ایمانی خوشی

مختار احمد۔ ملتان

آج ۳ مئی ۲۰۲۳ء ہے۔ گزشتہ رات عشا کی نماز کے بعد بچوں کا اسلام کا شمارہ ۱۰۸۰ پڑھ رہا تھا جس میں پروفیسر محمد اسلم بیگ صاحب کی تحریر 'کھیلیں ضرور' پڑھی۔ بہت سبق آموز تحریر تھی۔ تحریر میں نعیم اور سلیم دونوں بھائیوں کی فجر کی نماز قضا ہوگئی تھی، جس پر دونوں بھائی نادم و پشیمان تھے اور آئندہ اس طرح کی صورت حال سے بچنے کا عزم مصمم کر رہے تھے۔

تحریر کے آخر میں جب پڑھا کہ دونوں بھائیوں نے اپنی غلطی پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور آئندہ کھیل میں اعتدال سے کام لینے کا عہد کیا تو راقم کو یاد آیا کہ میری بھی آج کی عشا کی نماز کے بعد کی بقیہ نماز رہتی ہے، کیونکہ راقم کے استاد زادے نے اپنے کم سن صاحب زادے کو گھر پہنچانے کا کام سپرد کیا تھا چنانچہ فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد بندہ تعمیل کے لیے روانہ ہوگیا تھا۔ گھر آ کر شکم پری میں مشغول ہوگیا اور بقیہ نماز بھول گیا۔ پھر نیند کی وادی میں جانے سے قبل بچوں کا اسلام پڑھنا شروع کیا اور یوں پروفیسر صاحب کی تحریر سے بندہ ناچیز کو اپنی بقیہ نماز بھی یاد آ گئی۔

دل ہی دل میں خدا کا شکر اور پروفیسر صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ جناب نے اتنی عمدہ تحریر تخلیق کی جس کی وجہ سے ایک قاری کی نماز قضا ہونے سے بچ گئی۔ اس کے بعد نماز مکمل کی اور دعا کی دوران میں ہی پروفیسر صاحب کی ایک اور کہانی 'سرگوشیاں' ذہن میں آ گئی اور راقم بھی چند لمحوں کے لیے اپنے پیارے رب کے حضور سرگوشی میں مصروف ہوگیا۔

''اے اللہ کریم نماز وقت پر پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پانچوں نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ (اس کے ساتھ ہی پروفیسر صاحب کے لیے بھی دعا کی کہ) اللہ کریم پروفیسر صاحب کو جزائے خیر عطا فرما، آمین!''

دعا کے بعد خود بخود راقم کے ذہن میں یہ بات آئی کہ بندہ کی اس مختصر سی عبادت کا ثواب پروفیسر صاحب کو بھی ملے گا، کیونکہ نبیوں کے سردار، ختم نبوت کے تاج دار اربوں کھربوں صلاۃ وسلام کے حقدار، حضور نبی کریم کا فرمان عالی شان ہے:

اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ

''یعنی نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی مثل ہے۔''

راقم کو پروفیسر صاحب کی مذکورہ بالا تحریر اور اپنی نماز مکمل کرنے سے خوشی ہوئی۔ سوچا اس خوشی میں قارئین بچوں کا اسلام کو بھی شامل کرلوں۔ یقیناً قارئین بھی اس تحریر کو پڑھ کر خوش ہو جائیں گے۔ اور جب یہ تحریر شائع ہوگی اور پروفیسر صاحب اس کو پڑھیں گے تو یقیناً وہ بھی خوش ہو جائیں گے۔

حدیث پاک کی رو سے نیکی پر خوش ہونا ایمان کی علامت ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عالی شان فرمان ہے:

اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَائَتْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ

''یعنی جب تیری نیکی تجھے خوش کردے اور تیری برائی تجھے غمگین کردے تو تو مومن ہے۔''

اور خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ جل شانہ سے نیکی پر خوش ہونے کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ادعیہ مسنونہ میں سے ایک دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا

اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا

(مفہوم) ''اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے بنا دیجیے کہ جب وہ نیکی کرے تو خوش ہو جائیں اور جب ان سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو بخشش طلب کرے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

☆☆☆

اے خدا!

اے خدا! ہے تو ہی مالک دو جہاں
تیری قدرت کے جلوے ہیں ہر سو عیاں

جگمگائیں ترے نور کی بھیک سے
چاند، تارے، کرن، چاندنی، کہکشاں

پھول، شبنم، چمن، رنگ، خوشبو، دھنک
سب کے سب ہیں تیری عظمتوں کے نشاں

پیڑ، پودے تیری حکمرانی میں ہیں
تیرے ہی حکم سے ہیں سمندر رواں

تیرا کلمہ ہواؤں کے ہونٹوں پہ ہے
گونجتی ہے فضاؤں میں تیری اذاں

ہر بلندی تیرے سامنے پست ہے
تیرے آگے جھکائے ہے سر آسماں

ہاتھ اٹھا کر یہی مانگتے ہیں دعا
کر دے ہر دل کو تو پیار کا گلستاں

☆☆☆

احمد وصی

خط کتابت کا پتہ: دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد کراچی
bkislam4u@gmail.com
021 366 099 83

سالانہ زر تعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

ذکر ایک رات کا!

مشری جہان

"یہ کام تمہارے ہیں تمہارے۔ بھلا یہ وقت ہے ان سب کھیلنے کاموں کا....؟"

عرفی ماموں اپنی دانست میں جھاڑ پلاتے، غصہ دکھاتے آگے آگے چل رہے تھے جب کہ دوسری جانب 'پروا کسے ہے' کا عملی نمونہ بنے بیگم چباتے مجی میاں اپنی راہ پر تھے۔

"ماموں! وہ قصہ تو سنائیے جب ایک بار محلوں کی پوری ٹولی نے آپ اور آپ کے دوستوں کو بیچ چوراہے پر گھیر لیا تھا۔"

مجی میاں نے ماموں کی جھاڑ نظر انداز کرتے ہوئے دھیان بٹانا چاہا۔

"میاں ابھی تو جنگل کو ہاتھ دے لیا کریں۔ وقت دیکھو کیا ہوا ہے؟" عرفی ماموں جز بز ہو کر بولے۔ "ہم نے بارہ بجتی کہ بارہ بجنے میں صرف چند منٹ باقی ہیں، آئی بات سمجھ میں؟"

"جی لیکن پھر آگے کیا ہوا آپ کی بچت کیسے ہوئی؟ جان بچا کر کس طرح بھاگے؟ دراصل قصے کہانی سے رات اور وقت آسانی سے کٹ جاتا ہے۔"

ڈھیٹ پن کی انتہا تھی۔

"نرم گرم بستر چھوڑ کر یوں بیچ رات میں باہر نکلنا عقلمندی بالکل نہیں تھی۔" عرفی ماموں نے دانت پیستے ہوئے اپنی بات سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔

"ماموں! ڈھیر بنانا بھی کوئی آسان کام نہیں۔ تاکوں چھتے چھپاتے پڑتے ہیں تب کہیں جا کر ڈھیر بنتا اور اٹھتا ہے وہ بھی ویسی۔"

"ڈھیر، سرگی، اللہ الف خدایا! یہ ہمارا ہی منصوبہ تھا بھانجے جس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اس کڑکتی سردی میں ڈھیر کے بجری کے لیے سڑکوں کی خاک چھاننا پڑ رہی ہے۔ ہم باز آئے میاں! ہم باز آئے۔"

انھوں نے دونوں ہاتھ لہرائے۔

"ماموں بس آیا ہی چاہتی ہے وہ جگہ۔ ریت، بجری، سیمنٹ ہر شے موجود ہے۔ صبح ہی ہم سروے کر گئے تھے۔ چوکیدار بھی اٹھا لیں کوئی روک ٹوک نہیں۔"

مجی میاں نے تھیلا لہرایا۔

جھولوں والے پارک کی شبیہ واضح ہونے لگی تھی۔ پارک کے سامنے ہی بجری سیمنٹ کا انبار لگا تھا۔

"ماموں! یہ تھیلا جتنا دل چاہے بھر لیں۔"

مجی میاں نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بے پایاں سخاوت کا مظاہرہ کیا اور تھیلا پھینک کر پارک کی ریلنگ عبور کی اور جھولے پر جا سوار ہوئے۔

ڈھیر ایک بنائیں گے
ماموں کی دلہن لائیں گے

شوخی بھی عروج پر تھی۔

"بیٹھے بیٹھے رہتا، کبھی بڑے نہ ہوتا۔" عرفی ماموں چشمہ درست کرتے ہوئے تھیلا بھرنے لگے۔

"کیا ہو رہا ہے میاں؟ بجری کیوں اٹھا رہے ہو؟"

دبنگ اور معقول آواز پر ماموں جی نے سر اٹھایا۔

سامنے سیاہ برقعے میں ملبوس ایک خاتون کو دیکھ کر وہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔

"خالہ! ہمارے دادا کی بجری ہے وہی اٹھا رہے ہیں۔"

"دادا کی بجری ہے؟" خالہ نے بات دہرائی۔

جھولا جھولتے ہوئے ہوا کے دوش پر سوار مجی میاں ذرا آگے ہوئے۔

وہ برقع پوش خالہ اور عرفی ماموں کو باتیں کرتے سن بھی رہے تھے۔ خالہ کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی نگاہ اچانک ان کے پیروں پر پڑی اور ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ بیگم کا غبارہ پھٹ کر ناک اور ہونٹوں پر چپک گیا۔ خالہ جی کے پاؤں بڑے ہوئے تھے اور وہ ہوا میں معلق آہستہ آہستہ ماموں عرفی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

"جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔"

مجی میاں نے نعرہ مستانہ بلند کرتے ہوئے جھولے سے چھلانگ لگائی۔

"ماموں بھا...گیں...چڑ...ی...ل"

وہ مخالف سمت میں اندھا دھند دوڑ پڑے۔

ماموں جان نے خالہ کا غیر معمولی روپ تو اب محسوس کیا تھا، اس کے ساتھ ہی ہوا میں تیرتے وجود کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر بجری سیمنٹ اور تھیلا سب چھوڑ چھاڑ آیت الکرسی کا ورد کرتے بھانجے کے پیچھے دوڑ پڑے کیونکہ یہاں کھڑے رہ کر خالہ جی کا مقابلہ کرنا دلیری اور بہادری ہرگز نہ تھی۔

☆☆☆

موت ہے علاج زندگی!
نشے سے چھٹکارا ممکن ہے!
پرورش ریکوری سینٹر

PARVARISH RECOVERY CENTRE

علاج گاہ برائے منشیات وذہنی مسائل

ہم ایک محفوظ، ہمدردانہ اور خوشگوار ماحول میں علاج کے بین الاقوامی طریقوں کا استعمال کرتے ہوئے، نشے اور صدمے میں مبتلا افراد کو انفرادی نوعیت کی دیکھ بھال اور علاج کی اعلیٰ ترین سہولت فراہم کرتے ہیں۔

PARVARISH RECOVERY CENTRE

مریض علاج کے لیے راضی نہ ہو تو گھر سے لانے کی سہولت موجود ہے

PARVARISHRECOVERYCENTER/

PARVARISH.RECOVERY.CENTER

@PRCREHABILITATIONCENTER9119

مکان نمبر 02# سیکٹر 11، بلاک B، گلشن کنیز فاطمہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی

0335-5142299
0327-5142299

تمھیں اب وقت ہی سکھائے گا!

رفعت سعدی

اُستاد بخشو کا تھپڑ اُس کے چہرے پر اپنے نشان چھوڑ گیا تھا۔

’’گدھے کہیں کے...... تجھے اب تک چابیوں کے نمبر بھی یاد نہیں!‘‘

احساسِ ذلت سے سرخ چہرے کے ساتھ وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

’’چھوٹے! چل جلدی سے بارہ نمبر لے آ۔‘‘ استاد نے ایک اور لڑکے کو پکارا۔

’’اور تُو......‘‘ استاد نے پھر اُسے مخاطب کیا۔

’’کچھ سیکھنا ہے تو آنکھیں کھلی رکھا کر۔‘‘

اسی دوران میں ایک کار آ کر رکی۔ ساتھ ہی استاد بخشو کی زبان بھی رک گئی اور وہ کار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اُس نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ مزید مار سہنے سے وقتی طور پر بچ گیا تھا۔

کار کا دروازہ کھلتے ہی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے نوجوان پر نگاہ پڑی تو اُس کا اطمینان رخصت ہو گیا۔ وہ تیزی سے مڑ کر دکان کے اندر چلا گیا۔

گریس سے آلودہ کالے پرزوں کو صاف کرتے ہوئے اب اسے مسلسل یہ خدشہ ستا رہا تھا کہ استاد اسے کام کے لیے نہ بلا لے۔

وہ نوجوان اُس کا کلاس فیلو رہا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس سے سامنا ہو۔

استاد بخشو کی ڈانٹ، پھٹکار اور لعنت ملامت برداشت کرنا اب اُس کا مقدر تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے ماضی سے جڑا کوئی شخص اُس کے حال کا تماشا دیکھے۔

خیر ہی رہی کہ کار چلی گئی۔ اُستاد نے اُسے اس دوران میں نہیں بلایا۔ اُس کی سوچ ایک بار پھر ماضی کا سفر کرنے لگی۔

☆......☆

’’احمر عباس! آپ بڑے ہو کر کیا بنیں گے؟‘‘

سر عباد نے مسکراتے ہوئے سب سے آگے والے بچے سے سوال کیا۔

’’سر! میں ڈاکٹر بنوں گا۔‘‘

’’عبید رضا! آپ کیا بنیں گے؟‘‘

’’سر! مجھے پائلٹ بننے کا شوق ہے۔‘‘

چمکتی آنکھوں اور چشمے والے بچے نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

’’علیم اسکندر! آپ کو کیا بننے کا شوق ہے؟‘‘

’’سر! میں انجینئر بنوں گا۔‘‘

آج نئے تعلیمی سال کی ابتدا تھی۔ نئے کورس لیے چمکتے دمکتے صاف ستھرے بچے نہایت خوش اور پر جوش تھے کہ چوتھی جماعت میں آ کر اُن کے استاد صاحب بھی نئے تھے جن کا دھیما لہجہ اور مسکراتے ہوئے بات کرنا بچوں کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

سر عباد نے تھوڑا سا سبق پڑھانے کے بعد بچوں کو مانوس کرنے کے لیے اُن کے مستقبل کے متعلق خیالات جاننے کے لیے سوالات شروع کر دیے تھے۔

1098

''بلال مصطفیٰ! آپ بڑے ہو کر کیا بنیں گے؟''

''سر! میں بڑا ہو کر وزیرِ اعظم بنوں گا۔''

سر عباد کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

سب بچے ہنسنے لگے مگر بلال کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

''آپ وزیرِ اعظم بن کر کیا کام کریں گے؟''

''سارے اسکول اور مدرسے بند کروا دوں گا۔''

ایک پل میں سر عباد کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ اُنھوں نے غور سے اُس ناخوش اور سنجیدہ نظر آنے والے بچے کو دیکھا اور پھر پوچھا: ''مگر کیوں بیٹا! آپ تعلیمی ادارے کیوں بند کروائیں گے؟''

''اسکول میں اُستاد کہتے ہیں پڑھو، کام لکھو۔ گھر میں امی ابو کہتے ہیں کہ اسکول جاؤ، گھر کا کام لکھو، کھیلنے نہیں دیتے۔ جب اسکول نہیں ہوں گے تو بچوں کو پڑھنا نہیں پڑے گا۔ وہ مزے سے کھیلتے رہیں گے۔''

بلال نے روانی سے اپنے خیالات بتائے تو سر عباد کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُنھوں نے جذبات سے سرخ ہوئے بلال کو دیکھا اور بولے:

''بیٹا! تعلیم انسان کو ایک اچھا انسان بناتی ہے اور تعلیم حاصل کیے بغیر انسان کچھ نہیں بن سکتا۔ وزیرِ اعظم بھی نہیں بن سکتا۔ آپ پڑھ لکھ کر جب وزیرِ اعظم بن جائیں تو بہت سارے اسکول اور مدرسے ملک میں کھلوا دیجیے گا تاکہ آپ کی طرح سب بچے پڑھ لکھ کر بڑے آدمی بن جائیں۔''

''نہیں! میں پڑھوں گا نہیں، بس وزیرِ اعظم بن جاؤں تو سارے اسکول بند کروا دوں گا۔'' بلال نے فوراً کہا۔

اُس کے ہٹ دھرم انداز پر سر عباد حیرت زدہ رہ گئے۔ اسی اثنا میں چھٹی کی گھنٹی بج گئی۔

''اس بچے پر بہت محنت کرنا ہوگی۔'' وہ گھر جاتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

☆......☆

''بلال! بس کر میرے بچے! چھوڑ اس فضول کام کو...... اُٹھ کر کام لکھ لے۔''

چولھے میں آگ جلانے کی کوشش کرتی اماں نے بلال کو مخاطب کیا، جو دو لکڑیوں کو ایک دوسرے کی سیدھ میں رکھ کر اُن پر ڈوریاں لپیٹ کر نیٹ بنانے کی کوشش میں تھا۔

''کر لوں گا اماں! ابھی مجھے اپنا کام کرنے دے۔''

بلال نے ماتھے پر آئے پسینے کو آستین سے صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

''عصر میں تھوڑا وقت رہ گیا ہے پھر تو نے سپارہ پڑھنے بھی جانا ہے۔''

''نہیں جاتا میں سپارہ پڑھنے، وہ قاری کا بچہ مجھے مارتا ہے۔''

بلال نے بدتمیزی سے جواب دیا۔

''شرم تو نہ آئی تجھے قاری صاحب کو بکتا ہے...... نانہجار!''

اماں نے چمٹا کھینچ مارا جو اُس کی کمر میں لگا۔

وہ بپھرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ادھورے نیٹ کو کھینچ کر ایک لات ماری۔ لکڑیاں ایک دوسرے پر چڑھ گئیں ڈوریاں اُلجھ گئیں۔

''نہیں جاتا پڑھنے۔''

وہ بدتمیزی سے کہتا باہر نکل گیا۔ اماں سر پکڑ کر رہ گئیں۔

☆......☆

مصطفیٰ صاحب کے تین ہی بیٹے تھے: رفیق، عتیق اور بلال۔

اُنھوں نے خود تو ساری زندگی کریانے کی دُکان چلائی مگر بچوں کو پڑھانے کا شوق تھا۔ بڑے دو تو کچھ پڑھ گئے اور گزارے لائق نوکریاں بھی مل گئیں مگر یہ چھوٹا بلال اُن کے لیے مسئلہ بن گیا۔ پڑھائی سے اس کی جان جاتی اور کھیل میں اُس کی جان تھی۔ کھیلنا، کھیلنا اور ہر وقت کھیلنا۔ مصطفیٰ صاحب اب بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے۔ کچھ یوں بھی بیماریوں نے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا۔ ایسے میں بلال نے ان کی پریشانی کو مزید بڑھا دیا تھا۔ آئے روز اسکول اور مدرسے سے بھی شکایتیں ملتی رہتیں۔ وہ اسے سختی سے، پیار سے ہر طرح سے سمجھا چکے تھے مگر وہ تھا کہ اُس پر کسی چیز کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔

''بیٹا! پڑھ لکھ لے، تیری زندگی بن جائے تو میں سکون سے مر سکوں۔''

مصطفیٰ صاحب لجاجت سے اُسے سمجھاتے۔

''نہیں پڑھنا، مجھے اُستاد صاحب مارتے ہیں، قاری صاحب مارتے ہیں، بھائی بھی مجھے مارتے ہیں، میں بھاگ جاؤں گا گھر سے۔'' وہ چلّا کر کہتا۔

''تو سبق یاد کر، گھر کا کام لکھ، روزانہ پڑھنے جا، تجھے کوئی نہیں مارے گا...... میرے بچے! یہ جو مارتے ہیں نا، تیرے بھلے ہی کے لیے مارتے ہیں۔''

وہ اسے بٹھا کر گھنٹوں سمجھاتے، بُرا بھلا بتاتے مگر وہ ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیتا۔

☆......☆

''لگتا ہے سُدھر گیا ہے اماں آپ کا بیٹا!''

پانچویں دن بھی ناشتے کے بعد بغیر کہے بلال کو بستہ اُٹھا کر اسکول جاتا دیکھ کر رفیق بھائی کہے بغیر نہ رہ سکے۔

''اللہ کرے سدھر جائے، نیندیں حرام کی ہوئی ہیں اس نے تو۔''

اماں نے پراٹھا اُتارتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری۔

''عتیق! ذرا دیکھتے جانا کہ بلال اسکول ہی گیا ہے یا کہیں راستے میں کسی دُکان وغیرہ پر رک گیا ہے؟''

عتیق کام پر جانے کے لیے نکلنے لگا تو اُسے رفیق نے کہا۔

''ٹھیک ہے دیکھتا ہوں۔''

عتیق اور رفیق کے جانے کے بعد اماں نے برتن دھوئے۔ تھال کو سر سے اتار کر نیچے رکھا اور اپنے کام میں لگ گئیں۔ دفعتاً اُنھیں اپنے قریب موجود سرکنڈوں کے پیچھے سرسراہٹ محسوس ہوئی۔

وہ چوکنا ہو کر اُٹھیں اور سرکنڈوں کے درمیان سے جھانکا اور حیرت سے اپنی جگہ تھم کر رہ گئیں۔

بلال وہاں بیٹھا پتنگ بنانے میں مصروف تھا۔ بستہ ایک جانب پڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے کام میں اتنا محو تھا کہ اُسے ماں کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔

وہ اُس کے سر پر جا پہنچیں تو وہ اچھل پڑا۔

''تم اسکول نہیں گئے؟'' اماں نے غضب ناک تیوروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''وہ...... اماں...... آج جلدی چھٹ...... چھٹی مل گئی تو......'' وہ ہکلانے لگا۔

اب اماں اتنی بھی بھولی نہیں تھیں کہ وہ اُس کی بات پر یقین کر لیتیں۔

انھوں نے اسے بری طرح پیٹنا شروع کر دیا۔

اماں نے آج سے پہلے اسے کبھی اس طرح نہیں مارا تھا۔ حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر اُس نے پتنگ اٹھائی اور اسے پھاڑ ڈالا۔

اماں کے ہاتھ رک گئے۔

''یہی چاہتی تھی نا تُو...... لے اب پھاڑ دیا...... ختم کر دیا اسے۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آستین سے ناک رگڑی پھر اچانک جھک کر بستہ اُٹھا کر زمیں پر دے مارا۔

''لے...... اب تُو پڑھا لے مجھے۔''

اس نے اماں کی طرف دیکھا۔ وہ ساکت کھڑی تھیں۔

☆......☆

سر عباد کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ پورے چھے دن غیر حاضری اور ہوم ورک سے خالی کاپیاں، سبق بھی یاد نہیں۔

''بلال......!'' وہ گرج دار آواز میں بولے۔

''ہاتھ سیدھا کرو!''

وہ ساکت کھڑا رہا۔ اُنھوں نے بہت دن نرمی سے سمجھا کر دیکھ لیا تھا۔ اب سزا ناگزیر تھی۔ وہ باتوں کا نہیں، لاتوں کا بھوت تھا، وہ سمجھ گئے تھے۔

''ہاتھ آگے کرو!'' وہ دوبارہ بولے۔

اُس نے ہاتھ آگے کیا، جب ڈنڈے نے اُس کے ہاتھ کو چھوا تو اُس نے سختی سے اُسے پکڑ لیا۔

''میں تمھاری مار نہیں کھانے آیا۔'' اس نے بدتمیزی سے کہا۔

ساری جماعت کی سانس رک گئی۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی اُسے اور کبھی سر عباد کو دیکھ رہے تھے۔ وہ کانپ سے گئے۔ وہ چاہتے تو اُس کی اچھی خاصی دُھنائی کر سکتے تھے مگر انھوں نے اپنے آپ پر قابو پالیا۔ انھوں نے ڈنڈے کو چھوڑ دیا یہ کہتے ہوئے:

''کوئی بات نہیں بیٹے! تمھیں اب وقت ہی سکھائے گا۔''

☆......☆

ابا کو گزرے چھے ماہ ہو گئے تھے اور خود اس کی عمر بیس کا ہندسہ عبور چکی تھی۔ اس دن کے بعد اُس کے لیے حالات مزید بگڑتے چلے گئے۔ بھائی دونوں شادی شدہ بال بچوں والے تھے۔ اماں کو جو خرچ اُن سے ملتا وہ چھپ چھپا کر تھوڑا بہت اُس کی ضروریات پورا کرتی رہتیں۔ آخر ماں جو تھیں۔ سال بھر گزرا پھر اماں بھی چلی گئیں تب صحیح معنوں میں بلال میاں کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوا۔ چند ہفتوں بعد ہی بھائیوں نے ہری جھنڈی دکھا دی۔

''جاؤ میاں! اپنا کماؤ، اپنا کھاؤ۔ ہم سے کوئی اُمید نہ رکھو۔''

البتہ رفیق بھائی نے اتنا احسان کیا کہ کسی جاننے والے سے کہہ کر اُسے ورکشاپ میں کام سیکھنے کے لیے جگہ دلوا دی جہاں اُسے سارا دن گدھوں کی طرح کام کے بدلے دو وقت کی روٹی ملتی تھی۔ ساتھ ہی بے حساب جھڑکیاں، کوسنے اور گالیاں بھی اور کبھی کبھی پڑنے والے بے رحم تھپڑ بھی!

اب وہ اپنی ساری بدمزاجی، ہٹ دھرمی اور اکھڑ پن بھول گیا تھا۔ ماں باپ اور اُستادوں سے کی ہوئی بدتمیزیاں اُسے یاد آتیں اور اُس کی پریشانی میں اضافہ ہو جاتا۔

بلال اب صبر کرنے پر مجبور تھا۔ گزرا وقت وہ واپس نہیں لا سکتا تھا مگر ہنر مند ہو کر اپنا کام شروع کر کے وہ باعزت زندگی تو گزار سکتا تھا۔ یہی سوچ اب اسے حوصلہ دیے ہوئے تھی۔

اس سب کے باوجود ہر روز رات کو تھکن سے چُور وجود لے کر بستر پر جاتے ہوئے اُسے وہ شام ضرور یاد آتی تھی جب اماں اُسے سینے سے لگا کر رو پڑی تھیں۔ اُس دن کی شام جس دن اماں نے اُسے مارا تھا۔ اماں اُسے خود سے لگائے روتے ہوئے بار بار ایک ہی جملہ دُہرا رہی تھیں:

''بلال! تُو نے بستہ نہیں...... اپنا مقدر زمین پر پھینکا ہے۔''

☆☆☆

حافظ عبدالرزاق خان

بوسۂ جدائی

وہ منظر کل کی طرح آج بھی میری نظروں میں ہے۔ خدا کسی ماں کو جوان اولاد کی موت کے صدمے سے دو چار نہ کرے۔ ابراہیم کی پیشانی پر دو فائر لگے تھے۔ رنگ تو اس کا سانولا تھا مگر خون کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پوسٹ مارٹم کے بعد نعش گھر پہنچی تو گلی میں کہرام مچ گیا۔ بوڑھے باپ کی زبان گنگ تھی۔ ماں بے ہوش ہو جاتی تھی۔ بہنوں کی سسکیاں نہیں رکتی تھی، رہی ابراہیم کی بیوہ تو اس پر سکتہ طاری تھا۔ ایسے میں انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے جنرل سیکریٹری ڈاکٹر احمد علی سراج صاحب ایک فرشتے کی صورت میں وارد ہوئے۔

"ابراہیم طبعی موت نہیں مرا ہے، شہادت کے مرتبے پر فائز ہوا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا ہے۔ اس نے اپنی والدہ کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے جس طرح حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہوا تھا۔ مرنا تو سب نے ہے مگر آج ابراہیم نے موت کو بھی شکست دے دی ہے۔ ابراہیم کی بہنو! دل چھوٹا نہ کرو، یہ بار بار دعا کرتا تھا کہ الٰہی زندگی سعادت والی اور موت شہادت والی ہو۔ سو آج اس کے رب نے اس کے من کی مراد پوری کر دی ہے۔ اور ہم اپنے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ ایک ابراہیم کیا، ہزاروں ابراہیم ختم نبوت پر جان وارنے کے لیے تیار ہیں۔"

کانوں میں رس گھولتی آواز نے مضطرب دلوں کو اطمینان بخش دیا تھا، اگرچہ آنکھیں ڈاکٹر صاحب کی بھی چھلک پڑی تھیں۔

جنازہ اٹھنے سے قبل بوڑھی ماں اپنی پوری قوت سمیٹ کر سرہانے کی جانب بڑھی، چہرے سے کفن اٹھایا اور ابراہیم کے ماتھے پر جہاں گولیاں لگی تھیں اور پٹی کے باوجود ہلکا ہلکا خون رس رہا تھا، بوسہ دیا اور کانپتے ہونٹوں سے خطاب کیا:

"میں اس مرتبے کے قابل تو نہیں تھی جو تُو نے مجھے دلوا دیا ہے۔"

موقع پر موجود تمام آنکھیں یہ الفاظ سن کر ایک بار پھر چھلک پڑیں۔

مجھے رشک آ رہا تھا اس کی قسمت پر کہ رخصتی کے وقت ماں جی کا بوسۂ جدائی نصیب ہوا۔

☆......☆

ماں احراری تھی اور بیٹا جمعیت میں۔ خوب شغل لگتا جب دونوں مل بیٹھتے۔ ایک طرف سے مفتی محمود صاحبؒ کی تعریفیں ہوتیں تو دوسری جانب عطاء اللہ شاہ صاحبؒ کے کارناموں کا تذکرہ۔ بچے بڑے سب محظوظ ہوتے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بچوں میں حبِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حبِ صحابہ واہل بیت پروان چڑھ گئی۔ سید عطاء المومن شاہ صاحبؒ ڈیرہ تشریف لاتے تو اس اللہ والی کے گھر ضرور جاتے جبکہ مولانا فضل الرحمن صاحب کا بھی جب اِدھر چکر لگتا تو عابد کے گھر یقینی حاضری ہوتی۔

ابھی کچھ روز قبل کی بات ہے کہ بیٹا، ماں کے گھر آیا اور خوب دیر تک دل جوئی کرتا رہا۔ ماں کی طبیعت جو چند روز سے خراب تھی اچانک سنبھل گئی۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کی نشست کے بعد بیٹا اٹھنے لگا تو ماں نے حسبِ معمول سر پر ہاتھ پھیرا اور بہت سا پیار دیا۔ ساتھ ہی خلافِ معمول ماتھے کو چوما۔ بیٹا محبت سے سرشار گھر کو لوٹا۔ اگلے روز ۲۹ شعبان کا سورج طلوع ہوا تو کسی کو معلوم نہ تھا کہ محلہ دیوان صاحب میں کون سی قیامت بپا ہونے والی ہے۔

ظہر کے بعد اچانک بیٹے کو دل کا دورہ پڑا۔ جلدی جلدی اسپتال لے جایا گیا۔ جسم تقریباً ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ بھائیوں کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ عصر کے وقت حالت کچھ بہتر ہوتی نظر آئی تو سب کی جان میں جان آئی۔ اتنے میں بڑے بھائی کے پاس گھر سے فون آیا کہ اماں، اللہ کو پیاری ہو گئی ہیں۔

بچوں کا اسلام

مریض کے پاس دو نگران چھوڑ کر سب گھر کی طرف بھاگے۔ کچھ ہی دیر میں سارا محلہ جمع ہو گیا۔ ابھی کفن دفن اور قبر کی کھدائی کی بات ہی چل رہی تھی کہ بیٹے کے انتقال کی بھی اطلاع آ گئی۔ اف اللہ! کیا منظر تھا۔ پورا علاقہ غم میں ڈوب گیا۔ ماں کو غسل دے کر چارپائی صحن میں رکھ دی گئی، اُدھر ہم عابد کو غسل دینے میں مصروف تھے جو صبح تک یوسی فور UC#4 کی غریب عوام کو راشن دے رہا تھا۔ اتنے میں بہن کی روتی ہوئی آواز ابھری:

"دونوں کیسے چہکتے تھے بزرگوں کے قصے سنا سنا کر۔ ختم نبوت کے نعرے لگواتے تھے دونوں...... آج دونوں ہی چھوڑ گئے۔ امی تو بھیا کو بھی ساتھ لے گئیں۔"

یہ الفاظ سن کر غسل دینا دوبھر ہو گیا۔

آدھی رات کو جب دونوں کو قبر میں اتارا گیا تو دونوں کی قبروں میں صرف چار انچ کی دیوار کا فاصلہ تھا۔ ہم تو بوسۂ جدائی پر رشک کر رہے تھے، اِدھر اللہ میاں نے تو عابد کو حشر تک کے لیے ماں کی گود بھی دے دی۔

☆......☆

اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی کرنے اور اُن کی دست بوسی میں جو لطف ہے وہ کسی اور شے میں کہاں، لیکن اس کی قدر جب معلوم ہوتی ہے جب وہ پیر نہ رہیں اور وہ نرم و ملائم نورانی ہاتھ نہ رہیں۔

ڈیرہ اسماعیل خان اور بھکر کا درمیانی فاصلہ یوں تو کوئی چھتیس کلو میٹر ہے مگر حضرت مفتی صاحب کی محبت اور توجہات کی وجہ سے یہ فاصلہ چھتیس گز کا معلوم ہوتا تھا۔

جمعرات کی شام تھی جب ہمیں پتا چلا کہ حضرت کو دل کا دورہ پڑا ہے اور وہ سول اسپتال بھکر میں ایڈمٹ ہیں۔

بھاگم بھاگ گاڑی تیار کی، معراج کو ساتھ لیا اور قبل از عشاء اسپتال پہنچ گئے۔ انھیں میجر اٹیک ہوا تھا، اسی لمحے کچھ افاقہ ہوا تھا اور ہوش میں آئے تھے۔

گزشتہ ہی ماہ بڑے بڑے حضرات جیسے مولانا شیخ الحدیث سلیم اللہ خان صاحب، مولانا شیخ عبدالحفیظ مکی صاحب اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے تھے۔ (یہ جنوری ۲۰۱۷ء کا ذکر ہے!)

ان کے شاگردِ خاص مولانا عبدالرحمن صاحب نے منہ اُن کے کان کے قریب کر کے کہا: "حضرت! حافظ جی آئے ہیں ڈیرے سے۔"

فوراً آنکھیں کھولیں اور ہاتھ اوپر کو اٹھایا۔

ہم جو پائنتیوں کی طرف کھڑے تھے، جھٹ سے آگے بڑھے اور ادب سے گلے ملے اور دست بوسی کی، ساتھ ہی از راہِ دل لگی یہ الفاظ کہے:

"پیر سوھنڑا! اے فروری ہے، جنوری لنگھ گیے۔"

(یعنی پیر سوھنڑا یہ فروری ہے، جنوری تو چلا گیا، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو کچھ نہیں ہوگا!)

وہ تھوڑا سا مسکرائے اور پھر غنودگی میں چلے گئے۔

اچھی خاصی تعداد میں رشتے دار، سلسلے کے ساتھی اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ضلعی کارکن اسپتال میں موجود تھے۔ ہر ایک فکر مند تھا۔ بہت سوں کی ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔

عشا کے بعد ہماری واپسی ہوئی اور ابھی گھر کی دہلیز پر قدم ہی رکھا تھا کہ ان کی وفات کی روح فرسا خبر آ گئی۔

وہ آخری ملاقات نظروں میں بیٹھ گئی اور وہ دست بوسی، بوسۂ جدائی بن گیا۔

شیخ رخصت ہوا گلے مل کے
شامیانے اجڑ گئے دل کے

حوضِ کوثر میں آن ملو!

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا۔ مہاجرین وانصار نے سنا تو علی الصباح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے (تاکہ مال حاصل کر سکیں)۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے فرمایا: "جہاں تک مجھے علم ہے بلاشبہ تم لوگوں کی تعداد گھبراہٹ کے موقعوں میں زیادہ ہوتی ہے (یعنی جنگ اور جہاد میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہو) اور لالچ کے مواقع میں تمھاری تعداد کم دکھائی دیتی ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لیے اس مرض میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا، تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ سے فرمایا: "اپنی قوم سے میرا اسلام کہنا، بے شک وہ پاک دامن اور صابر لوگ ہیں۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ اُسید بن حضیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلہ تقسیم کیا تھا۔

حضرت اسید نے عرض کیا کہ بنی ظفر کا فلاں انصاری گھر حاجت مند ہے اور اس گھر کی تمام رہنے والی عورتیں ہی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اُسید! تم پہلے سے میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ اب تو جو کچھ میرے پاس تھا میں تقسیم کر چکا، اب جب تم سنو کہ میرے پاس کہیں سے کچھ سامان آیا ہے تو ان گھر والیوں کا مجھے یاد دلا دینا۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خیبر سے کچھ جو اور کھجوریں آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں میں بھی یہ سامان تقسیم کیا اور ان گھر والیوں کو بھی دیا اور انھیں اور زیادہ دیا۔

حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

"جزاک اللہ یا نبی اللہ! اطیب الجزاء"

(اے اللہ کے نبی! اللہ آپ کو بہترین جزا دے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وتمھیں بھی۔"

پھر آپ نے فرمایا "تم لوگ بڑے پاک دامن اور بڑے صبر کرنے والے ہو، تم میرے بعد تقسیم (اموال) اور حکومت کے معاملے میں ترجیح کو دیکھو گے، پس تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے حوضِ کوثر پر آن ملو۔"

(مرسلہ: عامرہ فیض الرحمن۔ کراچی)

☆☆☆

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

72

میر حجاز

اختر حسین عزمی

"ماں! میں مسلمان ہو چکا ہوں اور محمدؐ کی پیروی کرنے والا ہوں"۔ طلیب بن عمیر نے اپنی والدہ اروی بنت عبدالمطلب سے کہا۔ وہ ابھی ابھی دارارقم جا کر مسلمان ہوئے تھے۔ اروی محمد بن عبداللہ کی پھوپھی تھیں اور ابھی تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

انہوں نے اپنے بیٹے کی بات سن کر کہا:

"بیٹا! تمہاری مدد اور نصرت کے سب سے زیادہ حقدار تمہارے ماموں زاد بھائی (محمد) ہی ہیں"۔

"اے ماں! آپ کو اسلام قبول کرنے اور اپنے بھتیجے کی پیروی کرنے سے کس چیز نے روکا ہوا ہے۔ اب تو آپ کے بھائی حمزہ بھی اسلام قبول کر چکے ہیں"۔

"بیٹا! میں اس انتظار میں ہوں کہ میری بہن کیا کرتی ہیں۔ میں بھی ان کا ساتھ دوں گی"۔

"ماں میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ ضرور محمد کی خدمت میں جائیں، ان کی تصدیق کریں اور اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔ اس بات کا اروی نے ایسا اثر قبول کیا کہ انہوں نے اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اس کے بعد وہ اپنی زبان سے پیغمبر اسلام کی کھل کر مدد کرنے لگیں۔ وہ اپنے بیٹے کو حضورؐ کی مدد کرنے اور آپ کے کام کو لے کر کھڑے ہو جانے کی ترغیب دیتی رہتی تھیں۔

☆......☆

"اے اللہ ان دو آدمیوں عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہے، اس کے ذریعے سے دین کو عزت عطا فرما"۔ اللھم أعِزّ الاسلام بِأحبِ الرّجلین إلیكَ بِعمر ابن الخطاب أو بعمرو بنِ هشام

پیغمبر اسلام کی یہ تمنا ان دنوں ان کے ہونٹوں پر دعا بن کر جاری ہو جاتی۔ اگرچہ ہدایت کی دعا تو آپ تمام کافروں کے لئے کرتے تھے لیکن اسلام کی عزت و غلبہ کے لئے وہ ان دو میں سے کسی ایک کا ساتھ ضروری سمجھتے تھے۔ اہل اسلام کو اذیتیں دینے میں اس وقت سب سے زیادہ تین افراد پیش پیش تھے۔ پیغمبر اسلام کے مالدار چچا ابولہب، قریش کے خاندان بنو مخزوم کا ابھرتا ہوا سردار ابوالحکم عمرو بن ہشام اور بنو عدی کا طاقتور نوجوان عمر بن خطاب۔

☆......☆

مکہ کے بازار حزورہ میں عمر بن عبد مخزومی کے گھر کے پاس عمر بن خطاب کے ہم جولیوں کی محفل جمتی تھی جس میں ان کے قریشی احباب جمع ہوتے۔ انھی ہم نشینوں کی کشش میں جب عمر بن خطاب رات گئے مقام محفل پر پہنچا تو ان میں سے کوئی بھی انھیں نہ ملا۔ خیال آیا کہ کیوں نہ خانہ کعبہ کا رخ کیا جائے۔

صحن حرم میں پہنچ کر دیکھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں۔

"کیوں نہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان سے ان کا کلام سنا جائے۔ معلوم تو ہو آخر وہ کیا کہتے ہیں؟"

اس خیال کے ساتھ عمر بن خطاب حجر اسود کی جانب سے غلاف کعبہ کے اندر گھس کر آہستہ آہستہ خاموشی سے سرکتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتنے قریب اور سامنے ہو گئے کہ دونوں کے درمیان صرف غلاف کعبہ حائل تھا۔

عمر کو تلاوت قرآن کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی:

اَلْحَاۗقَّةُ ۝ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝

"ثابت شدہ، اور کیا ہے ثابت شدہ، اور تم کیا جانو کہ واقع ہو کر رہنے والی حقیقت کیا ہے؟"

زبانِ رسالت سے سورہ الحاقہ کی تلاوت کانوں کے ذریعے عمر کے دل و دماغ پر دستک دے رہی تھی۔

غارت شدہ قوموں عاد و ثمود کے کھنڈرات ابھر رہے تھے۔

فرعون اور قوم نوح کی عبرتناک تباہی اور کبھی قیامت کے زلزلے کی گرج سنائی دے رہی تھی۔

میدان حشر کا منظر کچھ لوگوں کی فکرمندی اور پریشانی کو اور کچھ کی خوش نصیبی کو اُجاگر کر رہا تھا۔

میزان عمل سے گزرنے کے بعد ستر ستر گز کی بھاری بھرکم زنجیروں میں جکڑے متکبرین کا خوفناک منظر اُبھر کر سامنے آ رہا تھا۔

"کیسا عجیب و غریب کلام ہے یہ؟ ضرور یہ بہت بڑے شاعر ہیں"۔

عمر نے دل ہی دل میں کہا۔ اُن کے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ قرآن نے گویا ان کی سوچ بھی سن لی اور اگلی آیت انھیں سنائی دی:

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ "نہیں یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے!"

عمر بری طرح چونک گئے۔

"ارے! یہ تو بہت بڑے کاہن بھی ہیں، جو دل کے خیالات بھی جان گئے!"

اور اگلے ہی لمحے اس خیال کی تردید بھی آ گئی:

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"یہ کسی کاہن کی بات بھی نہیں، لیکن تم لوگ کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔"

عمر کی دنیائے خیال میں زلزلے برپا تھے۔ ان کی روح ہل کر رہ گئی تھی۔ دل پر رقت طاری ہو گئی، آنکھیں ڈبڈبا گئیں، ایمان کا بیج ان کے دل سے اپنی کونپلیں نکالنا چاہتا تھا لیکن دل کی یہ آواز ان کی قوم پرستی کے شعور کے نیچے بار بار دب کر رہ جاتی تھی۔

(جاری ہے)

اے اللہ!

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ سَمْعِی وَمِنْ شَرِّ بَصَرِی وَمِنْ شَرِّ لِسَانِی وَمِنْ شَرِّ قَلْبِی وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّی۔ (النسائی)

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کانوں کے شر سے، اپنی نگاہ کے شر سے اور اپنی زبان کے شر سے اور اپنے قلب کے شر سے اور اپنی شہوت کے شر سے۔"

☆☆☆

بدن سلسلہ

ناک

سروبارالامبارکر

اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اگر اپنی کسی حس کی قربانی دینا پڑے تو شاید ہر کوئی سونگھنے کی حس کا انتخاب کرے گا۔ ایک سروے کے مطابق تیس سال سے کم عمر کے لوگوں میں نصف نے اپنے موبائل فون اور سونگھنے کی حس میں سے موبائل فون کو ترجیح دی لیکن یہ لاعلمی کی بنیاد پر ہے۔ ہماری خوشی اور اچھی زندگی میں سونگھنے کی حس کا کردار اِس سے بہت زیادہ ہے جتنی اس کی قدر کی جاتی ہے۔

مونیل کیمیکل سینس سینٹر اس حس کے بارے میں دنیا کا سب سے بڑا تحقیقی مرکز ہے۔ یہاں کے پروفیسر گیری بوشامپ کہتے ہیں کہ سماعت اور بصارت پر ہر سال دسیوں ہزار پیپر شائع ہوتے ہیں، جبکہ قوتِ شامہ پر ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ بھی سینکڑوں میں ہوتی ہے۔ اسی طرح اُس پر ہونے والی تحقیق کی فنڈنگ بھی کم ہے۔

اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اس بارے میں ہمارا علم بھی کم ہے۔ ہمیں مکمل طور پر معلوم نہیں کہ ہم سونگھتے کیسے ہیں۔ جب ہم سانس اندر کھینچتے ہیں تو کسی شے کے مالیکیول ہماری سانس کی نالی کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ یہ (olfactory epithelium) سے چھوتے ہیں۔ ہمارے اس حصے میں اعصابی خلیات ہیں جن میں (350) سے (400) اقسام کے ریسپٹر ہیں۔ اگر ٹھیک قسم کا مالیکیول ٹھیک قسم کے ری ایکٹر کو فعال کر دے تو دماغ کو ایک سگنل چلا جاتا ہے اور دماغ اس کی تعبیر بُو کے طور پر کرتا ہے۔

یہ ہوتا کیسے ہے؟ اس پر اتفاق نہیں۔ کئی سائنسدانوں کا خیال ہے کہ یہ مالیکیول ریسپٹر میں اس طرح فِٹ ہوتے ہیں جیسا تالے میں چابی! لیکن اس تھیوری کے ساتھ ایک مسئلہ ہے۔ کئی مالیکیول الگ کیمیائی شکل رکھتے ہیں لیکن بُو ایک ہی ہوتی ہے جبکہ کئی مالیکیول تقریباً ایک ہی شکل رکھتے ہیں لیکن ان کی بو میں فرق ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شکل کی سادہ وضاحت شاید ٹھیک نہ ہو۔

ایک اور متبادل اور پیچیدہ تھیوری ہے جس میں ریسپٹر کا فعال ہونا ایک اور عمل سے ہوتا ہے جو (resonance) ہے۔ یعنی ریسپٹر شکل سے نہیں بلکہ مالیکیولز کے ارتعاش سے فعال ہوتے ہیں۔

ہم جیسے عام لوگوں کو (جو سائنسدان نہیں) اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ ہوتا کیسے ہے۔ جاننے کے لیے اہم یہ ہے کہ بُو پیچیدہ ہے اور اس کی ساخت معلوم کرنا مشکل کام ہے۔ بو والے مالیکیول عام طور پر کسی ایک ریسپٹر کو فعال نہیں کرتے بلکہ کئی کو کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک کیلے میں تین سو قسم کے بو والے فعال مالیکیول (volatiles) ہیں۔ ٹماٹر میں چار سو جبکہ کافی میں کم از کم چھ سو۔ اس بات کا پتا لگانا کہ اُن میں سے کون سا مالیکیول محسوس ہونے والی بو میں کتنا کردار ادا کرتا ہے، بہت دشوار ہے۔ اور اس میں سادہ ترین سطح پر بھی نتائج بڑے عجیب ہیں۔

مثلاً انناس میں تین (volatiles) ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کی بو انناس سے قطعی طور پر مختلف ہے۔ یا پھر جلے ہوئے بادام کی بو کو (75) بہت مختلف طریقوں سے پیدا کیا جا سکتا ہے جن میں کچھ بھی مشترک نہیں۔ ان میں واحد مشترک چیز یہ ہے کہ انسانی ناک کو یہ ایک ہی جیسی لگتی ہیں۔

اِن ساری پیچیدگیوں کے سبب ہم اِس سب کی سمجھ کے بس آغاز پر ہی ہیں۔ ملیٹھی کی بو کے اجزا کا ۲۰۱۶ء میں پتا لگایا گیا جبکہ بہت عام سی چیزوں کی بو کو ابھی تک (decipher) نہیں کیا گیا۔

کئی دہائیوں تک عام رائج بات یہ تھی کہ انسان دس ہزار مختلف بوؤں کی شناخت کر سکتے ہیں۔ پھر کسی نے اِس دعوے کا سراغ لگانے کی کوشش کی اور معلوم ہوا کہ ۱۹۲۷ء میں دو کیمیکل انجینئرز نے یہ محض ایک تکا لگایا تھا۔

۲۰۱۴ء میں پیرس اور نیو یارک کے محققین نے رپورٹ کیا کہ یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے اور یہ کم سے کم دس کھرب ہے اور شاید اس سے زیادہ ہی ہو، لیکن کئی دوسرے سائنسدان اس کیلکولیشن سے متفق نہیں۔

سونگھنے کے بارے میں ایک دلچسپ اور اہم بات یہ ہے کہ ہمارے حواسِ خمسہ میں سے یہ واحد حس ہے جس میں (hypothalamus) کا کردار نہیں۔ نامعلوم وجوہ کی بنا پر یہ انفارمیشن سیدھی قوتِ شامہ کے کارٹیکس تک پہنچ جاتی ہے اور یہ جس جگہ پر ہے، وہاں پر ہماری یادداشتیں تشکیل پاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی خاص بُو کو سونگھ کر ہمیں فوراً اس سے جڑی کوئی یاد آ جاتی ہے، چاہے وہ بیس برس پہلے کی ہو۔

ہماری اِس حس کے بارے میں ایک اور غیر معمولی بات یہ ہے کہ یہ حس ہر شخص کے لیے منفرد ہے۔ ہم ۳۵۰ سے ۴۰۰ ریسپٹر رکھتے ہیں لیکن ان میں سے صرف نصف ایسے ہیں جو سب میں مشترک ہیں۔ ہم ایک جیسا نہیں سونگھتے۔

مثال کے طور پر ایک ہارمون اینڈروسٹیرون ہے۔ ایک تہائی لوگوں کو اس سے کچھ بھی مہک محسوس نہیں ہوتی۔ ایک تہائی کو یہ پیشاب کی بُو جیسی لگتی ہے اور ایک تہائی کو صندل کی لکڑی کی طرح کی۔

یعنی کہ کیا یہ خوشبودار ہے، بدبودار یا بغیر بو کے؟ اس پر بھی اتفاق نہیں۔

اور سونگھنے کی ہماری حس اِس سے کہیں زیادہ تیز ہے جتنا ہمارا خیال ہے۔ کیلیفورنیا کی یونیورسٹی میں کیے گئے ایک تجربے میں پندرہ میں سے پانچ قسم کی بو کا پیچھا کرنے میں انسان کتے سے بھی بہتر تھے۔ ایک اور تجربے میں لوگوں کو کئی قمیصوں میں سے سونگھ کر یہ پہچاننا تھا کہ ان میں سے کون سی قمیص ان کے گھر والوں نے پہنی تھی۔ اس میں درست پہچان کا تناسب حیرت انگیز تھا۔

دنیا میں دو فیصد سے پانچ فیصد لوگ ایسے ہیں جو مکمل یا جزوی طور پر بو محسوس نہیں کر پاتے۔ ایک اور بدقسمت بیماری (cacosmia) ہے جس کا شکار ہونے والے کو ہر طرح کی بو بری محسوس ہوتی ہے۔

الزائمر کی بیماری کی ابتدائی علامات میں سے ایک اس حس کا متاثر ہونا بھی ہے۔

بیوشامپ کا کہنا ہے، جو لوگ اپنی قوتِ شامہ کھو بیٹھتے ہیں، ان کے لیے یہ بات باعثِ تعجب ہوتی ہے کہ ان کی زندگی کس قدر متاثر ہوتی ہے۔ ہم اس کی مدد سے نہ صرف دنیا کے بارے میں معلومات لیتے ہیں بلکہ اس سے لطف بھی۔

اور یہ بات خاص طور پر خوراک کے لیے درست ہے، لیکن اس اہم موضوع تک جانے سے پہلے ہم منہ اور گلے کی طرف چلتے ہیں۔

☆☆☆

اُن کے کوچے میں

11

محمد فضیل فاروق

مدینہ منورہ میں یہی کوشش کرنی چاہیے کہ روزانہ بقیع جا کر صحابہ کرام کی قبور کی زیارت کریں اور اُن پر سلام پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ میاں سے اسی جگہ تھوڑی سی زمین الاٹ کرنے کی دعا مانگی جائے۔ میری خوش قسمتی دیکھیں کہ ایک بار میں اسی طرح گھوم رہا تھا عصر کے بعد کہ میری نظر ایک ترکش نوجوان پر پڑی۔ وہ ہاتھ کے اشاروں سے اپنے ساتھ موجود گروپ کو کچھ بتا رہا تھا۔ میں دوڑا دوڑا اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بھی کسی جامعہ میں علوم شرعیہ کا طالب علم تھا اور عربی پر کمال عبور رکھتا تھا۔

اسے ساری خاص قبور کے بارے میں معلوم تھا، اس سے پوچھنے پر پتا چلا کہ ترکوں کے پاس ابھی بھی وہ نقشے موجود ہیں جن میں اصحاب، ازواج، بنات و دیگر اہل بیت کی قبور کی نشاندہی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے چند سال پہلے تک تو یہاں بھی ناموں کے کتبے موجود تھے، مگر پھر موجودہ حکومت کو کچھ سوجھی اور سب نام ہٹا دیے گئے۔ اب اُن سے پوچھیں تو کہتے ہیں کہ واللہ اعلم! ہم سے پہلے کئی حکومتیں یہاں سے گزری ہیں، نجانے کسی نے اپنی طرف سے کیا نام لکھ دیے ہوں۔

خیر اس ترکش نوجوان سے جو پتا چلا اس کے مطابق بقیع میں داخل ہوتے ہی ہلکا سا دائیں جانب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین شہزادیوں کی مشترک قبر ہے، اس سے تھوڑا بائیں ازواج مطہرات، امہات المومنین کی مشترک قبر، بائیں جانب کونے میں آپ کی پھوپیاں اور دائیں جانب ذرا فاصلے پر حضرت فاطمہ اور دیگر اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبور موجود ہیں۔

تھوڑا آگے جا کر بائیں جانب ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اردگرد جلیل القدر صحابہ جن میں علم وفقہ کے سمندر عبداللہ بن مسعود اور جنگ کے میدان میں شجاعت وبہادری کا استعارہ حضرت سعد بن ابی وقاص، اور تجارت کے لیجنڈ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبور ہیں۔

تھوڑا آگے بائیں جانب ہی جناب حلیمہ سعدیہ موجود ہیں۔ وہیں سے تھوڑا آگے دائیں جانب تیسرے خلیفہ راشد ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان، بائیں جانب خزرج کے سردار مشہور صحابی حضرت سعد بن معاذ اور ان کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری بھی موجود ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وعنا معہم!

اب یہاں اِن قبور کا ذکر کرتے ہوئے 'واللہ اعلم' تو ہم بھی لکھیں گے، مگر ذرا سوچیے، بقیع میں چلتے ہوئے اُن بزرگ ہستیوں کا جب تصور ہو، امہات المومنین اور آپ کی بیٹیوں کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزارے ایام آنکھوں کے سامنے گھوم جائیں اور اُن کی قبر پر جب وہ سخت تنبیہ اور وعید سے بھری آیتیں ذہن میں آئیں جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی برأت میں اتریں تو تن بدن کے رونگٹے نہیں کھڑے ہو جائیں گے......!؟

''اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے، اس بارے میں تمھیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔''

پھر برأت کے بعد حضرت عائشہ کے والد محترم نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کرنے کو کہا تو اُن کا وجد میں آکر وہ جملہ بے اختیار ضبط کے بندھنوں کی دھجیاں اڑا کر آنکھیں نہ بھگا دے گا:

''اللہ کی قسم! میں اُس ذات کے سوا کسی کا شکریہ ادا نہیں کروں گی جس نے میری برأت کا اعلان کیا ہے۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آپ کے مرض وفات میں ادا کیا گیا جملہ ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں نہ دوڑا دے گا:

''اللہ کی قسم یا نبی اللہ! میں چاہتی ہوں کہ آپ کی تکلیف مجھ پر آجائے۔''

جبرئیل امین کا حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں سفارش کرنا ہمارے لیے باعث رشک نہ ہوگا!؟

کیا نبی کی بیٹیوں کی قبر پر ان کی اپنے والد سے اور والد کی اُن سے محبت دل کو موم نہیں کر دے گی! یہی تو وہ جگہ ہے جس کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کی ایک بیٹی (حضرت ام کلثوم زوجہ عثمان غنی رضی اللہ عنہما) کے جنازے میں شریک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر پر بیٹھے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (بخاری)

صحابی جلیل حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول ایمانی کیفیت متغیر نہ کرے گا:

''سعد (بن معاذ) کی موت سے عرش ہل گیا۔''

''آسمان کے تمام دروازے ان کے لیے کھول دیے گئے اور آسمان کے تمام فرشتے ان کی روح کے چڑھنے سے خوش ہوئے۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی قبر ان کے ساتھ ہی ہے فرماتے ہیں: ''سعد بن معاذ کی قبر کی ہم جیسے جیسے تہہ کھودتے جاتے، ہمیں مشک کی خوشبو آتی جاتی یہاں تک کہ ہم لحد تک پہنچ گئے۔''

حضرت حلیمہ سعدیہ کی قبر پر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن اور بنو سعد میں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھرانے پر برسنے والے انعامات یاد نہیں آئیں گے!؟

حضرت سیدنا عثمان بن عفان کی قبر پر اُن کی مظلوم شہادت کا تصور دل کے زخموں کے ٹانکے نہ ادھیڑ دے گا۔ وہ عثمان جن کو نبی نے اپنے دو نور دیے۔ وہ عثمان جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''کیا میں اس سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔''

وہ جو بدر میں نہ ہونے کے باوجود بدریوں میں شامل ہیں۔

وہ عثمان جن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ۱۴۰۰ صحابہ نے موت پر بیعت کی۔ وہ عثمان جس کی طرف سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وکیل بن کر بیعت کی۔ وہ عثمان جس نے اس زمانے میں یہودی سے نصف کنواں خرید کر مدینہ والوں کو پانی مہیا کرنے کا بندوبست کیا مگر پھر انہی کا پانی بند کر دیا گیا۔

یا سبحان اللہ......!

کیسی جلیل القدر اور بزرگ ہستیاں یہاں موجود ہیں کہ ہم تو صرف ان کے بڑے بڑے کاموں کے تصور ہی سے کانپ اٹھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک یو کے کے بھائی نے بے اختیار کہا: ''آہ......! یہ وہ وقت تھا ناں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو چھلک پڑے تھے۔''

After all, he was a human, wasn't he

''آخر وہ بھی تو بشر تھے، ہے کہ نہیں......!؟''

جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کو دیکھنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری وقت میں ان کے ہنسنے اور رلانے کا واقعہ کیا ہمیں رلائے گا نہیں؟ جب پہلے آپ نے انھیں اپنے جانے کی خبر دی تو وہ رو پڑیں، پھر انھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سب سے پہلے خود سے جا ملنے کی خبر دی تو وہ ہنس پڑیں......!

ہنسنے کی خبر تو صرف ان کے لیے تھی ناں، باقی پورے جگ کے لیے تو دونوں خبریں ہی رونے کی تھیں۔

یہی سب دیکھتے ہوئے ہم بقیع سے نکل آئے۔ لب پر ایک ہی دعا تھی:

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك

واجعل موتی فی بلد حبیبك صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آخر الفاظ کن کے تھے، اور دعا بھی مقبول تھی۔ کیا پتا یہ الفاظ کہنے والے کی نقل کرنے کی وجہ سے ہماری دعا بھی قبول ہو جائے، اور ویسے اللہ تعالیٰ نقل ہی تو مانگتے ہیں، صحابہ کی اقتدا یعنی نقل، اُن جیسا اصل بننے کے لیے جس دروازے سے گزرنا ہوتا ہے وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا......! (جاری ہے)

☆☆☆

عجیب و دلچسپ پوزیشن

یہ جہاز بیک وقت انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں تھا

قدیر قریشی

یہ آج سے لگ بھگ سوا صدی پہلے کا قصہ ہے۔

ایک مسافر بردار بحری جہاز ایس ایس واریمو (SS Warrimoo) کینیڈا سے آسٹریلیا جانے کے لیے بحرالکاہل سے گزر رہا تھا۔

اس دن تاریخ تھی: ۳۱ دسمبر ۱۸۹۹ء۔

جب جہاز طول بلد ۱۷۹ اور عرض بلد صفر کے پاس پہنچا تو نیوی گیٹر نے جہاز کے کپتان کو بتایا کہ یہاں سے چند ہی کلومیٹر دور وہ مقام ہے جہاں خطِ استوا اور انٹرنیشنل ڈیٹ لائن (جو عموماً ۱۸۰ طول بلد پر ہوتی ہے) ایک دوسرے کو کراس کرتی ہیں۔

جہاز کے کپتان نے نیوی گیٹر کو دوبارہ اس انفارمیشن کو کنفرم کرنے کا حکم دیا۔ جب نیوی گیٹر نے دوبارہ جہاز کے کوآرڈینیٹس کنفرم کیے تو جہاز کے کپتان نے حکم دیا کہ جہاز کو سمندر کے عین اُس مقام پر پینتالیس ڈگری کے زاویے پر پارک کر دیا جائے، جہاں خطِ استوا اور ڈیٹ لائن (عالمی خطِ تاریخ) کراس کرتی ہیں۔

چنانچہ مقامی وقت کے مطابق عین رات کے بارہ بجے جہاز کو اُس مقام پر اِس طرح پارک کیا گیا کہ جہاز کا آدھا حصہ خطِ استوا کے ایک طرف اور آدھا دوسری طرف تھا۔

اسی طرح جہاز کا آدھا حصہ ڈیٹ لائن کے ایک طرف اور آدھا دوسری طرف تھا۔

یہ پوزیشن اِس قدر دلچسپ تھی کہ آج تک کسی دوسرے جہاز کو یہ پوزیشن نصیب نہ ہو سکی۔

اِس پوزیشن میں ایسی کیا خاص بات تھی؟ آیئے دیکھتے ہیں:

جہاز کا اگلا حصہ اُس وقت زمین کے جنوبی نصف کرے میں تھا، جہاں اُس وقت گرمیوں کا موسم تھا، جبکہ جہاز کا پچھلا حصہ شمالی نصف کرے میں تھا جہاں اُس وقت سردیوں کا موسم تھا۔

جہاز کے پچھلے حصے پر تاریخ ۳۱ دسمبر ۱۸۹۹ء تھی جبکہ جہاز کے اگلے حصے پر تاریخ پہلی جنوری ۱۹۰۰ء تھی۔

چنانچہ اِس جہاز پر بیک وقت نہ صرف دو الگ الگ تاریخیں تھیں بلکہ دو الگ الگ مہینے، دو الگ الگ موسم، دو الگ الگ سال ہی نہیں، دو الگ الگ صدیاں بھی تھیں۔

گویا یہ جہاز بیک وقت انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں تھا۔

کیوں ہے نا حیرت انگیز اور دلچسپ ترین بات؟

☆☆☆

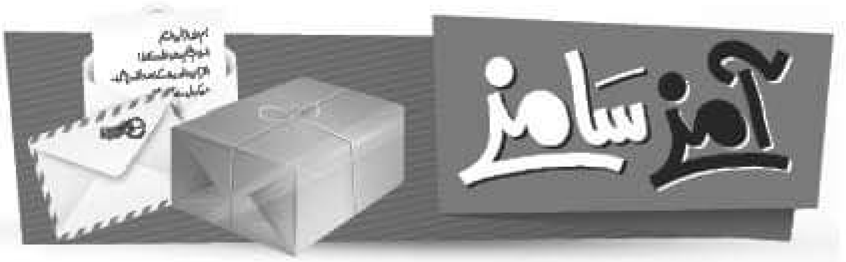

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆ مدیر ماموں! میں اس وقت سے بچوں کا اسلام پڑھ رہی ہوں جب میں تیسری جماعت میں تھی اور اب میٹرک کا امتحان دے رہی ہوں۔ آج 'خزانے کی تلاش' نے خط لکھنے پر مجبور کیا، اس ناول میں بہت مفید اور اہم باتیں ہیں جو ہر شخص کے علم میں ہونی چاہئیں۔ مجھے میرے ماموں جان حافظ عبدالرزاق خان کی لکھی گئی بھی کہانیاں بہت پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے قلم کو ہمیشہ چلتا ہوا رکھے۔ (حسیبہ نور۔ ڈیرہ اسماعیل خان)

ج: اللہ تعالیٰ ماموں بھانجی دونوں کے قلم کو قبول فرمائے، آمین!

☆ ماموں جان! میں نے پہلے ایک خط اور مضمون لکھا تھا۔ خط تو دو مہینے بعد شائع ہو گیا، مضمون آج تک شائع نہیں ہوا۔ بچوں کا اسلام ماشاء اللہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ 'میر حجاز' بہت اچھا سلسلہ ہے۔ شمارہ ۱۰۸۰ میں میرے ماموں جان کی کہانی 'وہ ایک بوتل' بہت ہی زبردست تھی اور دستک میں آپ نے بھیڑ چال کے بارے میں بتایا۔ واقعی انسان ایسا ہی ہے۔ پروفیسر محمد اسلم بیگ کی کہانی 'کھیلیں ضرور' بہت مفید اور دلچسپ تھی۔

(ہادیہ منال۔ ڈیرہ اسماعیل خان)

ج: بہت خوب، آج تو ماموں ڈے لگ رہا ہے۔

☆ شمارہ ۱۰۹۱ املا۔ القرآن الحدیث کے بعد دستک پڑھی۔ 'تصوراتی سفر کی روداد' پڑھ کر ہمیں بہت ہنسی آئی۔ کاوش صدیقی کی 'دیر نہیں لگتی' ایک بہت ہی اچھی کہانی تھی۔ 'میر حجاز' سلسلہ بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ ڈاکٹر نوید احمد کے انتقال کا پڑھ کر افسوس ہوا اور ہم نے فوراً انھیں ایصال ثواب کیا۔ محمد فضیل فاروق بھائی حرمین شریفین کے سفر کو بہت اچھے انداز میں قلم بند کر رہے ہیں۔ 'صرف بھتائی' پڑھ کر ہم نے سوچا کہ ہمارا بھائی بھی تو ایسا ہی کرتا ہے۔

(حفصہ عبدالرحیم۔ فیروزہ)

ج: اکثر بھائی ایسا ہی کرتے ہیں، مگر دل کے سب بہت اچھے ہوتے ہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۸۶ میں کاوش صدیقی کی کہانی ''اللہ میاں کتنے اچھے ہیں!'' بچوں کو اچھا سبق دے رہی تھی۔ ''اچھی آواز'' ٹاپ پر تھی۔ آمنے سامنے تو شروع سے ہی مجھے بہت پسند ہے۔ مدیر بھائی! مجھے کہانیاں لکھنے کا بہت شوق ہے، مگر گھر، شوہر، بچے، ڈپریشن، مہنگائی کچھ بھی ہمیں لکھنے نہیں دیتی۔ دل کرتا ہے میں بہت لکھوں، شاید زندگی میں کبھی میں بھی رائٹر بنوں۔ آپ ہی کوئی حل بتائیں نا۔ ام سارہ بھی تو لکھتی ہیں، کیا ان کے ساتھ یہ مسئلہ نہیں؟ (ام وردہ گل۔ بھکر)

ج: یہ مسائل تو زندگی کے ساتھ ہیں۔ جو بھی زندہ ہے، وہ کم زیادہ ان مسائل سے نبرد آزما ہے۔ یقین کیجیے کہ عام طور پر لکھنے والے دوسروں سے زیادہ مشکل وقت گزار رہے ہوتے ہیں، کیونکہ وہ حساس طبع ہوتے ہیں۔ بہرحال ہمیں بس یہ کرنا ہے کہ صبر شکر کے ساتھ مسائل کا مقابلہ کرتے ہوئے، کچھ نہ کچھ وقت اپنے لیے اور دوسروں کی خدمت کے لیے نکالنا ہے۔

☆ بچوں کا اسلام ماشاء اللہ بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ شمارہ ۱۰۸۶ میں القرآن الحدیث سے استفادہ کیا، اس کے بعد دستک ''مئی میں سردی'' پڑھی۔ واقعی آپ کی بات سو فیصد سچ ہے۔ ''اللہ میاں آپ کتنے اچھے ہیں!'' اتنی پیاری کہانی تھی کہ کیا بتائیں۔ محمد ارسلان کی ''تصور'' پڑھ کر آنکھیں بھیگ گئیں۔ نیوز چینل تو فضول ہی لگتا ہے۔ محمد فضیل فاروق کی ''ان کے کوچے میں'' پڑھ کر دل کر رہا تھا کہ ہم بھی اس کوچے میں اڑ کے پہنچ جائیں۔ پتا ہے مدیر چچا! ہم اتنے پرانے دیوانے ہیں ان رسالوں کے۔ جب ہم اپنے رشتے داروں کو بتاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ آپ کی تحریر تو کبھی شائع نہیں ہوئی۔ (ام محمد حنظلہ۔ بھکر)

ج: انھیں کہا کریں کہ بھئی ہم اپنی تحریر کی وجہ سے تو بچوں کا اسلام کے دیوانے نہیں ہیں۔

☆ میرا نام محمد طلحہ صادق ہے اور ہم بچوں کا اسلام کے اتنے پرانے پڑھنے والے ہیں جتنا پرانا خود یہ رسالہ ہے۔ یعنی اس وقت سے جب یہ اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ ایک رنگین صفحے کی شکل میں آتا تھا، لیکن ہم ہیں بہت ہی خاموش قاری۔ اشتیاق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ہماری ایک کہانی اور خط شائع ہوا تھا بس، پھر اشتیاق احمد صاحب کی وفات کے بعد ہمارا رسالہ نجانے کب اور کیوں بند ہو گیا۔ خیر اب ہماری شادی ہوئی تو بیگم صاحبہ بچوں کا اسلام اور خواتین کا اسلام بھی اپنے ساتھ لائیں۔ یوں ایک دفعہ پھر ہمارا تعلق اپنے پرانے دوستوں سے قائم ہو گیا۔ سوچا اس تعلق کو مزید پکا کرنے کے لیے ایک عدد خط اور کہانی کیوں نہ لکھ دی جائے۔ سو یہ دونوں آپ کی طرف روانہ ہیں۔ امید ہے بچھڑے ہوئے دوست کی طرح جھپی ڈال کر استقبال کیا جائے گا۔ (محمد طلحہ صادق۔ بہاول پور)

ج: خوش آمدید۔ ہم نے آپ کے خط کے ساتھ معانقہ اور کہانی کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اگرچہ ردی کی ٹوکری دونوں کے ساتھ معانقہ کرنا چاہ رہی تھی۔

☆ ہمارے ہاتھوں میں اس وقت شمارہ ۱۰۷۸ سے لے کر شمارہ ۱۰۸۹ موجود ہیں۔ ان گیارہ رسائل میں حافظ عبدالرزاق خان محترم کی پانچ تحریریں موجود ہیں۔ 'وہ ایک بوتل'، 'جاگتے رہنا بھائیو'، 'حصہ'، 'سرزمین حجاز پر اللہ کے دوستوں سے ملاقات' اور 'غیرت مسلم زندہ ہے' ساری ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ۱۰۸۱ میں 'سائبان کی پناہ' نے ہمیں دکھ اور خوشی کی ملی جلی کیفیات میں گھیر لیا۔ شمارہ ۱۰۸۲ کی کہانی 'نانی اماں اور جیلو' خاصی دلچسپ تھی۔ شمارہ ۱۰۸۳ پورا شمارہ ہی شاہکار تھا۔ ہاشم عارف میکائی کی 'ایسی نیکی' پڑھ کے محاورتاً نہیں، حقیقتاً دل کھٹا ہو گیا، مگر 'جاسوس بڑھیا' از سارہ الیاس پڑھ کر دل کا سارا کھٹا پن دور ہو گیا۔ بہت شاندار تحریر تھی۔ شمارہ ۱۰۸۴ میں جس تحریر کو ہم نے خصوصی رغبت سے پڑھا، وہ 'قریشی اور شاہجہان' حافظ محمد دانش عارفین حیرت کی تھی۔ شمارہ ۱۰۸۵ میں ''چچا'' صاحب براجمان تھے۔ چچا سے ہماری پرانی شناسائی کچھ اس طرح ہے کہ ہماری عربی کی معلمہ ہمیں چچا کے کارنامے انگریزی میں ترجمہ کرنے کو دیتی تھیں اور یہ خاصا دلچسپ سلسلہ ہوتا تھا۔ 'آسان حل' از شازیہ نور پڑھ کے مسکرا دیے۔ شمارہ ۱۰۸۷ میں ارسلان صدیقی موجود تھے۔ محمد ارسلان صدیقی، محمد احسان حسانی اور محمد سالم کے ناموں کے ساتھ جامعہ دارالعلوم کراچی کا لاحقہ لگا دیکھ کر ہمارے بھائیوں میں نئے سرے سے بحث چھڑ جاتی ہے کہ ان ناموں سے منسوب جوانوں کو انھوں نے دیکھ رکھا ہے یا نہیں۔ 'ساڈا کی اے' بھی بہت پسند آئی۔ محمد حذیفہ اکرام کا 'بنا سرپیر کے خط' پڑھ کر کافی محظوظ ہوئے۔ ان گیارہ رسائل کے 'آمنے سامنے' میں محمد احمد اسامہ، چشتیاں کی دو بہنیں، مولانا محمد اشرف، خرم فاروق ضیاء، عبیداللہ، سعداللہ، محمد اقراش عاصم چھائے رہے۔ نیوز چینل نے تین بار حاضری دی۔ 'میر حجاز' بہترین سلسلہ چل رہا ہے۔ (عزہ صدیقی۔ کراچی)

ج: گیارہ شماروں پر ایک ساتھ تبصرہ! یہ تو آپ نے گویا گیارھویں منالی۔

☆ پچھلے ڈیڑھ دو ماہ سے قلم پر جمود طاری ہے۔ جب مسلسل لکھتے رہیں تو دل و دماغ میں نت نئے خیالات آتے رہتے ہیں، لکھنا چھوٹ جائے تو خیالات کی آمد بھی رک جاتی ہے۔ آپ نے ایک دستک میں خوب صورت انداز میں تحریر لکھ کر بھیجنے کی ترغیب دی تھی تو ایک منتخب تحریر کتاب میرا قبول اسلام (پروفیسر غازی احمد، ساجدہ کرش لعل) سے نقل کر کے لکھنا شروع کی۔ پروفیسر غازی احمد اب اس دنیائے فانی میں نہیں ہیں۔ ایمان افروز داستان ہے۔

(محمد اقراش عاصم۔ میلی پیر بخش، خوشاب)

ج: اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کو رواں کر دے، آمین۔ تحریر مل گئی ہے مگر بہت طویل ہے۔ آپ سمیت تمام قارئین کوشش کیا کیجیے کہ تحریر زیادہ سے زیادہ ہزار بارہ سو الفاظ پر مشتمل ہو۔ کیونکہ مختصر پر اثر تحریریں جلدی شائع ہو جاتی ہیں، طویل تحریریں تو ہمارے پاس کئی کئی برسوں تک آرام کرتی ہیں، ان کی باری آ ہی نہیں پاتی۔

☆ چچا جان! ہم نے یہ خط ہماری چھٹی تحریر 'اچھی آواز' کی اشاعت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے لکھا ہے۔ اس تحریر کی اشاعت پر ہم نے خود کو منظر عام پر لانے کا فیصلہ کرلیا۔ سب کو حیران کن خوشی ہوئی! اب آتے ہیں شمارہ ۱۰۸۹ کی طرف۔ 'ہاں بھئی اور سناؤ' والی دستک ہمارے دل و دماغ پر دستک دے گئی۔ پھر ہم 'بلال خالد' کی 'تعلقات کی مار' کا جائزہ لینے پہنچے۔ تعلقات کی مار کا تجربہ خود ہم بھی کئی بار کر چکے ہیں مگر علی بے چارا تو زیادہ ہی مار کھا گیا۔ 'غیرت مسلم زندہ ہے' حافظ عبدالرزاق خان کی تحریر حسب روایت دل کو چھوگئی۔ حافظ صاحب کی ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کو سلام۔ 'ان کے کوچے میں' ہم دلچسپی سے پڑھ رہے ہیں۔ 'آمنے سامنے' کی محفل میں پہنچے تو محفل کو گل و گلزار پایا۔ چچا جان! شمارہ 1087 میں 'مسکراہٹ کے پھول' پر 'قصیٰ عبیدالرحمن درخواستی' کا نام دیکھ کر ہم چونک گئے۔ ہم نے اپنے پاس موجود ریکارڈ سے ملا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ پھول تو ہم نے کھلائے تھے! (انیسہ عائش۔ کوٹ رادھا کشن، قصور)

ج: جی یہ پھول آپ ہی نے کھلائے تھے، مالن کے طور پر آپ کا نام آنا چاہیے تھا، اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۷۹ میں 'اک ملاقات تھی جو دل کو سدا یاد رہی' خوب لگی۔ 'عید مبارک کے پیغامات' میں دوست کے میسج نے خوب ہنسایا۔ 'میر حجاز' عظیم شخصیات کی قربانیوں کو اجاگر کر رہی ہے۔ 'آب دار قطرے کا سفر' نے کسی کے کام آنے کا درس دیا۔ ویسے کہانی کی بنت اور روانی بہت خاص تھی۔ (ع، ز۔ ام رمیصاء۔ پشاور)

ج: جاوید بھائی ایک منجھے ہوئے بہترین لکھاری ہیں۔

☆ آج کل آموں کا موسم ہے تو جناب اشرجون پوری آموں کے اردگرد ہی گھوم رہے ہیں۔ 'میر حجاز' زبردست جا رہا ہے۔ یہ کب کتابی شکل میں شائع ہوگا اور اس کی کیا قیمت ہوگی؟

(منیبہ جاوید۔ چک احمد آباد، 18 ہزاری)

ج: اگلے ہی برس شائع ہو سکے گا اب تو۔ قیمت کا تعین بھی اسی وقت ہوگا۔

☆ 'دستک' میں آپ نے پچھلے ہفتے کی بات کو خوبی کے ساتھ مکمل کیا۔ 'مالک سمجھ بیٹھا' کہانی ہمارے پروفیسر نے بھی ہمیں سنائی تھی۔ حافظ عبدالرزاق خان کی تحریر کے کیا کہنے۔ یوں لگ رہا تھا کہ ہم وہیں ان کے ساتھ ہی اُن مقدس مقامات کی سیر کر رہے ہیں۔ جاوید بسام کی تحریر بھی دلچسپ تھی۔ کیا جاوید بسام صاحب پرانے لکھاری ہیں؟ 'میر حجاز' کی تعریف کرتے کرتے تو اب ہم تھک چکے ہیں۔ (محمد وقاص۔ جھنگ صدر)

ج: جی ہاں بہت پرانے، سمجھیے پچھلی صدی کے لکھاری ہیں۔ ''میر حجاز'' کی تعریف سے کیا تھکنا، کائنات میں ''ربِ میر حجاز'' کے بعد ''میر حجاز'' ہی کی تو سب سے زیادہ تعریف ہو رہی ہے۔ خیر آپ نے بھی دراصل تعریف ہی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سب کو ہمیشہ اُن کی تعریف میں رطب اللسان رکھے، آمین!

☆ میں بچوں کا اسلام رسالے کا ایک پرانا اور خاموش قاری ہوں۔ میں جب چھوٹا تھا تو میری والدہ مجھے اکثر اس میں سے کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ اب میں خود پڑھتا ہوں اور پہلی دفعہ یہ کوشش کی ہے کہ ایک خط اور تحریر بھی لکھوں۔ میری کامیابی کے لیے دعا فرمایئے گا۔ ابھی میں نے جماعت نہم کے امتحانات دیے ہیں، اس کے بعد اپنی زندگی کا پہلا خط لکھا ہے۔ میری حوصلہ افزائی کے لیے اس خط کو شائع کر دیجیے گا۔ (محمد عفان)

ج: اللہ جل شانہ دنیا آخرت کے ہر امتحان میں آپ کو سرخ رو فرمائے، آمین!

☆ شمارہ ۸۴ اور ۸۵ بالترتیب دونوں ہی ہمارے لیے باعث مسرت تھے، کیونکہ دونوں میں ہمارے لیے خط کا تحفہ تھا۔ شکریہ صد بار شکریہ۔ دونوں شماروں کی 'دستک' ایک ہی عنوان اور موضوع پر مشتمل تھی۔ سرورق کہانی 'ماتو کی نو زندگیاں' اور 'سب کی اپنی اپنی بولی' یہ دونوں ملتی جلتی تحریریں تھیں۔ شمارہ ۱۰۸۵ میں ''جواہرات سے قیمتی'' سلسلہ ہمارے تلمیذ رشید کے نام سے شائع ہوا، بہت خوشی ہوئی۔ 'آمنے سامنے' کے خطوط میں خوابوں کا بیان دلچسپ تھا۔ مرزا بیگ صاحب کا خط ہمارے موقف کی کچھ کچھ تائید کر رہا تھا۔ (مولانا محمد اشرف۔ حاصل پور)

ج: اور آپ کا موقف کیا تھا؟

☆......☆

مسکراہٹ کے پھول

خولہ شفیق۔ تونسہ شریف

☆......ایک شخص نہر کے کنارے بیٹھ کر پانی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بار بار کہہ رہا تھا افسوس، افسوس اتنا پانی ضائع ہو رہا ہے۔

ایک گزرتے شخص نے یہ سن کر کہا:

''تو آپ محکمہ انہار سے ہیں، بہت ذمے دار شخص ہیں۔''

اس نے جواب دیا: ''جی نہیں، میں گوالا ہوں۔''

☆......استاد: چلتی گاڑی سے کب اترنا چاہیے؟

شاگرد: جب اسپتال نزدیک ہو۔

☆......ایک لڑکا: مجھے انگریزی کے استاد سب سے زیادہ پسند ہیں۔

دوسرا: وہ کیوں؟

پہلا: وہ ذرا ذرا سی بات پر کلاس سے باہر نکال دیتے ہیں۔

☆......استاد: تم کب تک سوتے ہو؟

شاگرد: جب تک جاگ نہیں جاتا۔

☆......استاد: یہ جملہ سنو، سڑکوں پر جلتی ہوئے کاغذ کے ٹکڑے مت پھینکو، امریکا کی آتش زدگی کو یاد رکھو۔ احمر! اب اس سے ملتا جلتا جملہ بناؤ۔

احمر: جگہ جگہ مت تھوکو، پنجاب کا سیلاب یاد رکھو۔

☆......استاد: مغلیہ سلطنت کے مسلمان بادشاہوں نے کہاں سے کہاں تک حکومت کی؟

شاگرد: جناب صفحہ نمبر ۲۳ سے لے کر صفحہ نمبر ۲۷ تک۔

☆......ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ تعزیت کرنے والوں میں سے ایک شخص نے پوچھا اس کے شوہر سے کہ آپ کی بیوی کا انتقال کیسے ہوا؟

''بے چاری نے چائے پی اور اچانک ہی اس کی زندگی کا چراغ گل ہوگیا۔'' شوہر نے چہرے پر افسردگی طاری کرتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ بیٹھا رہا، پھر راز داری کے انداز میں اس کی طرف جھک کر آہستگی سے بولا: ''چائے کی پتی بچی ہے کیا؟!''

☆☆☆

حسنِ خاتمہ اور پانچ!

شیخ عبدالصمد القرشی عطورات کی دنیا کا جانا پہچانا نام ہیں۔ آپ سعودی عرب کے مشہور ارب پتی بزنس مین، انٹرنیشنل کمپنی کے مالک، دنیا بھر میں سینکڑوں برانچیں، مکہ مکرمہ کے شہری، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے تعلق۔ اُن کی وفات کا قصہ نہایت ہی عجیب اور بہت ہی حیران کن ہے۔

قرشی صاحب کی ایک بیٹی تھی، جس کی منگنی ہو چکی تھی، لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اس دوران میں قرشی صاحب نے خواب میں اپنی والدہ مرحومہ دیکھا۔

والدہ نے فرمایا: ستزورنا بعد خمس۔

(تمھاری عنقریب ہم سے ملاقات ہوگی پانچ بعد۔)

بس یہ سنتے ہی شیخ صاحب کی آنکھ کھل گئی۔

وہ بڑے حیران کہ اس پانچ سے کیا مراد ہے؟

پانچ سال، پانچ ماہ، پانچ ہفتے یا پانچ دن......!

بہرحال نیک آدمی تو تھے مگر اب انھوں نے زور و شور سے آخرت کی تیاری شروع کر دی۔ التوا میں پڑے سارے امور نمٹانے لگے۔ پہلی فرصت میں بیٹی کو رخصت کر دیا۔

وہ آخرت کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ایک دن نماز کے لیے مسجد گئے۔

اتفاق سے امام صاحب نماز پڑھانے مسجد نہیں آئے تھے، سو لوگوں نے شیخ عبد الصمد کو امامت کے لیے آگے کر دیا۔

انھوں نے پہلی رکعت میں سور الفاتحہ کے بعد سورۃ اللیل کی تلاوت کی اور ان پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔

خوب روئے۔ خاص کر کے آیت "وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى" (مفہوم: "اور جب ہلاکت میں پڑے گا تو اس کا مال اسے کام نہ آئے گا!") پر اُن کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

پھر دوسری رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الضحیٰ شروع کر دی۔ جب آخری آیت "وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" (مفہوم: "اور اپنے رب کی نعمت کا خوب بیان کریں!") پڑھ لی تو اُن کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اُس دن مذکورہ خواب کے پانچ ماہ مکمل ہوئے تھے۔

☆☆☆

جوابات ۲۰ آپ کتنے پانی میں ہیں؟

(۱) اللہ تعالیٰ۔ (۲) بنی اسرائیل۔

(۳) اس آیت کریمہ میں ساڑھے چودہ سو برس قبل ایک کائناتی حقیقت سے پردہ ہٹایا گیا تھا، اور وہ یہ کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ یہ بات آج مسلمہ سائنسی حقائق میں شامل ہے جو آج سے محض سو برس قبل ۱۹۲۳ء میں امریکی خلائی سائنس دان ایڈون ہبل نے دریافت کی۔

(۴) دیودار۔ (۵) دار چینی۔

☆☆☆

یادداشتوں پر مبنی جرم و سزا کی سنسنی خیز و ہنگامہ آرا کہانیوں پر مشتمل کتاب ایک پولیس آفیسر کی ڈائری کی دوسری جلد بھی شائع ہوگئی ہے۔

بچوں کا اسلام کے مقبول ترین مصنف آر جی غلام رسول زاہد کی شاہکار کتابیں آٹوگراف کے ساتھ حاصل کیجیے

Call and Whatsapp 0335-1620824

رعایتی پیکیج: ایک پولیس آفیسر کی ڈائری (2 جلدیں) + پراسرار تحریر 3 کتابیں کُل قیمت مع ڈاک خرچ: 2100 روپے رعایتی پیکیج: صرف: 1450 روپے

ایک پولیس آفیسر کی ڈائری (2 جلدیں) 2 کتابیں کُل قیمت مع ڈاک خرچ: 1600 روپے — رعایتی پیکیج: صرف: 1150 روپے

ایک پولیس آفیسر کی ڈائری (صرف دوسری جلد) کُل قیمت مع ڈاک خرچ: 1000 روپے — رعایتی پیکیج: صرف: 850 روپے